مولانا مفتی مختار اللہ حقانی *

ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر مختلف ممالک کی کرنسی کی بیع کا شرعی جائزہ

بخدمت جناب مفتی صاحب جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مودبانہ گزارش ہے کہ ۲۲ر جمادی الاول ۱۴۳۱ھ مطابق ۷ مئی ۲۰۱۰ء بروز جمعۃ المبارک روزنامہ مشرق اخبار کے اسلامی صفحہ پر "آپ کے مسائل اوران کا شرعی حل" کے عنوان کے تحت ایک فتویٰ شائع ہوا ہے' جس کو من وعن یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ڈالر مہنگا ادھار فروخت کرنا اور مہلت کی وجہ سے پیسے بڑھانا۔

سوال: ایک ضرورت مند صراف سے ڈالر خریدتا ہے اگر ڈالر کی موجودہ قیمت مثلاً چوراسی روپے ہے تو وہ ایک ماہ کے ادھار پر نوے روپے میں خریدتا ہے اور صراف کو ایک ماہ بعد طے شدہ قیمت نوے روپے کے حساب سے پاکستانی کرنسی دیتا ہے یوں صراف فی ڈالر چھ روپے کماتا ہے' اور توجیہ یہ کرتے ہیں کہ جنس تبدیل ہوجاتی ہے حالانکہ بین الاقوامی اصول کے مطابق تمام ممالک کی کرنسیاں ایک ہی جنس ہے' اوران کے قدر میں کمی وبیشی کے عوامل اور ہیں' مثلاً درآمدات برآمدات' عالمی بینک کے ساتھ سونا بطور سیکورٹی رکھنا کرنسی کی چھپائی کی مقدار وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب میعاد پوری ہوتی ہے اور مقروض کے پاس رقم نہ ہو تو صراف پرچی لکھ کر اس کو ایک ماہ اور معیاد و مہلت دیتا ہے اور چھ روپے فی ڈالر کماتا ہے جبکہ اس معاملہ میں مقروض اور صراف کے درمیان رقم کی کوئی لے دے نہیں ہوتی۔

۳۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب میعاد پوری ہوتی ہے اور مقروض کے پاس آدائیگی کی رقم نہ ہو تو صراف اس کو مزید ڈالر چھ روپے مہنگا دے دیتا ہے اور مقروض اس کو پاکستانی کرنسی میں تبدیل کر کے اپنا سابقہ قرض ادا کرتا ہے اور یوں اس پر چھ روپے فی ڈالر اس کا قرض مزید بڑھ جاتا ہے گویا صراف اس میں رقم کی لے دے کا حیلہ کرتا ہے' ان مسائل

---

* استاذ شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے کیونکہ یہ کاروبار بہت زور وشور سے جاری ہے۔ (عبدالباقی صراف)

جواب: یہ تینوں معاملات سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہیں۔ ہر ملک کی کرنسی الگ جنس ہے مثلاً پاکستان کی کرنسی ایک جنس ہے، سعودی کرنسی الگ جنس ہے، ڈالر جدا جنس ہے وغیرہ لیکن قدر ان تمام کرنسیوں کا ایک ہے اور سب میں مشترک ہے جب جنس جدا ہے اور قدر ایک ہے تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا آپس میں اگر ہاتھ در ہاتھ ہو تو مارکیٹ نرخ سے کمی بیشی کی گنجائش ہے لیکن اگر ادھار کا معاملہ ہو تو جائز نہ ہوگا لہٰذا ڈالر اگر چوراسی روپے کا ہے تو ایک دن یا ایک ماہ کے ادھار پر نوے (چوراسی سے زیادہ) پر اس کی خرید وفروخت جائز نہیں یہ سود ہے اسی طرح اگر وہ مقررہ تاریخ تک قرض واپس نہ کر سکے تو مہلت کی وجہ سے نرخ بڑھانا یا کوئی حیلہ اختیار کر کے قرض بڑھانا بھی سود ہی ہے" (نقل از روزنامہ مشرق)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعی ڈالر کو ادھار پر فروخت کرنا سود ہے، اور ان کرنسیوں میں اتحاد قدر کی وجہ سے ادھار ناجائز وحرام ہے؟

اس طرح اس امر کی وضاحت بھی فرمائیں کہ کرنسی نوٹ کیسے رائج ہوئے یعنی کرنسی نوٹ کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ مہربانی فرما کر تفصیلی تحریر فرمائیں تا کہ جملہ شبہات ختم ہو جائے۔ یکے از خدام علماء کرام، اندر شہر پشاور شہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق

کرنسی نوٹوں کا تاریخی پس منظر:

زمانہ قدیم میں اشیاء کا تبادلہ اشیاء کے ساتھ ہوا کرتا تھا، یعنی ایک چیز دے کر اس کے بدلے میں دوسری چیز لی جاتی تھی، بعد میں دوسرا نظام رائج ہوا جسے زر بضاعتی کا نظام کہا جاتا تھا، اس نظام میں لوگوں نے مختلف مخصوص اشیاء کو بطور ثمن مقرر کیا جس کے ذریعے اشیاء کا تبادلہ ہوتا تھا۔ بعد میں لوگوں نے سونے چاندی کو تبادلے کا ذریعہ بنایا، ابتداء سونے چاندی کے ٹکڑوں سے تبادلہ ہوتا تھا، پھر ان کے سکے بنائے گئے۔ سونے کے سکے کو دینار اور چاندی کے سکے کو درہم کا نام دیا گیا، پھر بعض مشکلات کے پیش نظر سناروں اور صرافوں نے ان کے پاس بطور امانت سونا، چاندی کے سکے رکھنے والوں کو وثیقہ کے طور پر ایک کاغذی رسید جاری کر دیا جو بعد میں اعتماد زیادہ ہونے کی وجہ سے بیع وشراء کے لئے بطور ثمن استعمال ہونے لگے۔ سنہ ۱۷۰۰ء کے اوائل میں ان رسیدوں نے ایک خاص شکل وصورت اختیار کر لی جیسے بینک نوٹ کا نام دیا جانے لگا۔ اس وقت ان کاغذی نوٹوں کے بدلے میں سو فیصد اتنی مالیت کا سونا، چاندی بینک میں موجود ہوتا تھا، اور بینک اس امر کا پابند تھا کہ وہ صرف اتنے نوٹ جاری کرے جتنا اس کے پاس سونا موجود ہے،

۱۸۳۳ء میں جب بینک نوٹ کا رواج زیادہ ہوا تو حکومت نے اس کو زر قانونی قرار دیا' ہر قرض لینے والے پر یہ لازم تھا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے ان نوٹوں کو اس طرح قبول کرے گا جس طرح سونے' چاندی کے سکوں کو قبول کرتا ہے' ان نوٹوں کی اجراء کی اجازت صرف حکومت کے ماتحت چلنے والے مرکزی بینک کو ہوا کرتی تھی۔

اس کے بعد ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں مشکلات کے پیش نظر حکومتوں نے مجبوری کے تحت سونے کی مقدار سے زیادہ نوٹ جاری کردیئے تاکہ حکومتی ضروریات پورا کرنے میں ان کو استعمال کرے' چنانچہ ان نوٹوں کی پشت پر سونے کی مقدار آہستہ آہستہ کم ہونے لگی' رفتہ رفتہ جب اس زر اعتباری کا رواج بڑھنے لگا' تو ملک میں پھیلے ہوئے نوٹوں کی تعداد ملک میں موجود سونے کی مقدار سے کئی گناہ زیادہ ہوگئی تو حکومتوں نے رفتہ رفتہ نوٹوں کو سونے سے تبدیل کرنے کی ممانعت کردی آخر کار ۱۹۷۶ء میں بین الاقوامی مالی فنڈ نے سونے کے بدل کے طور پر ایک زر مبادلہ نکلوانے کے حق کا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ مختلف ممالک کی کرنسی کی ایک معین مقدار غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لئے نکلوا سکتے ہیں اور مقدار کی تعین کے لئے ۸۸۸ ۶۷۱ گرام سونے کو معیار مقرر کیا گیا (کہ اتنی مقدار کا سونا جتنی کرنسی کے ذریعے خریدا جاسکتا ہو اتنی کرنسی ایک ملک نکلوا سکتا ہے۔ لہذا اب صورتحال یہ ہے کہ زر مبادلہ نکلوانے کا یہ حق جیسے اختصار کے لئے' ایس' ڈی' آر کہا جاتا ہے۔ سونے کی پشت پناہی کا مکمل بدل بن چکا ہے۔

(ماخوذ از فقہی مقالات ۱/ ۱۵ تا ۲۱۔ مصنف مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

چنانچہ اسی طرح اب سونا مروجہ کرنسی کے دائرہ سے بالکل خارج ہو چکا ہے اور اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا' اور ان نوٹوں نے پوری طرح سونے کی جگہ لے لی ہے۔ اب نوٹ نہ سونے کی نمائندگی کرتے ہیں اور نہ چاندی کی بلکہ خود ایک فرضی قوت خرید کی نمائندگی کررہے ہیں۔

کرنسی نوٹ کی تعریف:

اس لئے کرنسی نوٹ کی تعریف مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ علامہ سید احمد بیگ الحسینی کے حوالہ سے یوں کرتے ہیں۔ بینک نوٹ ایک کرنسی نوٹ ہے۔ جس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت دے دی جائے گی۔ اور ان نوٹوں کے ساتھ بھی اسی طریقے پر لین دین کیا جاتا ہے جس طرح دھات کی کرنسی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ نوٹ مضمون ہوتے ہیں یعنی اس کے بدل کی ضمانت دی جاتی ہے' تاکہ لوگ اس کے لین دین پر اعتماد کریں

(فقہی مقالات ۱/۲۲)

کرنسی نوٹوں کے بارے میں اختلاف رائے:

لہٰذا مذکورہ بالا تعریف کی رو سے کہ حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت ادا کردی جائے گی۔ یہ الفاظ اس بات پر دال ہیں کہ یہ نوٹ قرض کی سند ہے۔ اسی لئے بہت سارے علماء نے گزشتہ صدی میں ان نوٹوں کے بارے

میں قرض کے دستاویز ہونے کا فتویٰ دیا۔ اور اسی بناء پر ان حضرات کے نزدیک ان نوٹوں سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تھی۔

لیکن اسی زمانہ میں دوسرے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت نے ان کاغذی نوٹوں کو ثمن عرفی قرار دیا' اسی وجہ سے ان حضرات کے ہاں ان نوٹوں پر زکوٰۃ بھی واجب ہوتا تھا۔ اور ان سے زکوٰۃ بھی ادا کرنا جائز تھا۔

علامہ احمد ساعاتی اور ہندوستان کے علامہ عبدالحئی لکھنویؒ کے شاگرد رشید مولانا فتح محمد لکھنویؒ ان نوٹوں کے بارے میں یہی رائے رکھتے تھے' اور ان کے بیٹے مولانا مفتی سعید احمد لکھنوی کا کہنا ہے کہ علامہ عبدالحئی لکھنوی بھی اس مسئلہ میں والد صاحب کے موافق تھے' ماخوذ از فقہی مقالات ۱/۲۵)

اگرچہ اختلاف زمانہ کے اعتبار سے دونوں آراء اپنی اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں اس لئے کہ ان کرنسی نوٹوں میں انقلابات گزر چکے ہیں' ابتداء میں یہ نوٹوں رسید اور ایک دستاویز کی حیثیت رکھتے تھے۔ بعد میں ان نوٹوں نے زر قانونی کی حیثیت اختیار کرلی۔

علامہ تقی عثمانی مدظلہ نے لکھا ہے بہرحال مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوگیا کہ فقہی اعتبار سے یہ نوٹ اب قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ فلوس نافقہ (مروجہ سکوں) کی طرح یہ علامتی کرنسی کی حیثیت اختیار کرگئے ہیں۔ (فقہی مقالات ۱/۲۹)

مروجہ نوٹوں کی حیثیت:

اب جب نوٹوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کی حیثیت ثمن عرفی اور فلوس نافقہ کی ہے' ان کی ایک خاص قوت خرید ہے' اس لئے اہل علم حضرات نے ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ کو ایک ہی جنس قرار دیا ہے اور مختلف ممالک کے سکوں اور کرنسی نوٹوں کو مختلف الاجناس قرار دیئے ہیں۔

چنانچہ علامہ تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں: پھر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں اور مختلف ممالک کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں (فقہی مقالات ۱/۳۸)

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: البتہ اگر یہ نوٹ مختلف الجنس ہوں جیسے پاکستانی روپیہ' سعودی ریال' ایرانی تومان' امریکی ڈالر یہ سب آپس میں مختلف الاجناس ہیں اسی وجہ سے ان کے نام' ان کے پیمانے اور ان سے بنائی جانے والی اکائیاں بھی مختلف ہوتی ہیں (تقریر ترمذی ۱/۱۴۵۔۱۴۶)

یہاں تک تو مروجہ کرنسی کی حیثیت معلوم ہوئی' اس وقت عام مارکیٹ میں کرنسی کا تبادلہ عام ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کاروبار کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اور استفتاء کے جواب جو ادھار پر اس کاروبار کے بارے میں جو سود اور ناجائز ہونے کی تصریح کی گئی ہے تو کیا واقعی ایسا ہے یا نہیں۔

ربا القرآن اور ربوالحدیث

ربو کا معنی ہے زیادتی اگرچہ یہ لفظ پانچ قسم کے معانی کے لئے مستعمل ہے لیکن زیادہ تر یہ لفظ دو معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک ربو النسیئہ کے لئے اور دوم ربوالفضل کے لئے ۔ رابوالنسیئہ کی تعریف یہ ہے کہ **هو القرض المشروط فيه الاجل و زيارة مال على المستقرض** 'اس کو ربوالقرآن بھی کہتے ہیں اور ربوالفضل کی تعریف یہ ہے کہ دو ہم جنس چیزوں میں آپس کے تبادلے کے وقت کمی زیادتی کرنا اس کو ربوالحدیث بھی کہتے ہیں۔

اس وجہ سے یہ ہے کہ پہلی قسم کے ابا کو قرآن پاک نے حرام قرار دیا ہے اور دوسری قسم کے ربا کو حدیث پاک نے حرام قرار دیا ہے۔

اموال ربویہ میں حرمت ربا کی علت:

ربا التفاضل اور ربا النسیئہ کی حرمت کی علت کیا ہے؟ تو اس بارے میں فقہا کرام کا اختلاف ہے رسول اللہ ﷺ نے کاروباری ربا کے بارے میں چھ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے

چنانچہ حضرت عبادۃ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ

قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب مثلاً بمثل و الفضة بالفضة مثلاً بمثل و التمر بالتمر مثلاً بمثل و البر بالبر مثلاً بمثل و الملح بالملح مثلاً بمثل و الشعير بالشعير مثلاً بمثل فمن زاد واز داد فقدا ربى (جامع ترمذی ج ا ص ۳۶۵)

اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے مذکورہ چھ چیزوں میں باہمی تبادلہ کی صورت میں تفاضل (زیادتی) اور نسیئہ (ادھار) دونوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ بعض تابعین حضرات کی رائے یہ ہے کہ سود کا یہ حکم صرف ان چھ اشیاء کے باہمی تبادلہ کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جمہور اہل علم کے ہاں یہ حکم صرف ان چھ اشیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دوسری چیزوں کے باہمی تبادلے کی صورت میں بھی تفاضل اور نسیئہ حرام ہے۔ اور یہ حکم معلول بعلۃ ہے۔

چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں وہ علت قدر اور جنسیت میں اتحاد ہے لہٰذا جب وہ ہم جنس اشیاء کی باہمی تبادلہ ہو رہا ہو اور دونوں مکیلی یا موزونی ہوں تو اس میں تفاضل اور نسیئہ دونوں حرام ہے' اور اگر دونوں اوصاف میں سے ایک وصف معدوم ہو یعنی دونون کا جنس مختلف ہو یا قدریت میں اختلاف ہو تو پھر اس صورت میں تفاضل جائز ہے البتہ نسیئہ (ادھار) حرام ہے اور اگر دونوں اوصاف معدوم ہوں تو پھر تفاضل اور نسیئہ دونوں جائز ہیں۔

چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

الربا محرم في كل مكيل او موزون اذا بيع بجنسه متفاضلاً فالعلة عندنا الكيل مع

الجنس او الوزن مع الجنس قالؒ ویقال القدر مع الجنس وھو اشمل

(الھدایة ۵/۲/۷۱ باب الربا مکتبه البشری کراچی)

اسی طرح مزید لکھتے ہیں:

واذا عدم الوصفان الجنس والمعنی (القدر) المضمون الیه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة والاصل فیه الاباحة واذا وجدا حرم التفاضل والنساء لوجود العلة واذا وجداحدھما وعدم الاخر حل التفاضل وحرم النساء (الھدایة ۵/۷۷ ا/باب الربا مکتبه البشری کراچی)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ویجوز بیع الحفنة بالحنفنتین والتفاحة بالتفاحتین لأن المساواة بالمعیار ولم یوجد فلم یتحقق الفضل قال العلامه عبدالحی بالمعیار أی بالکیل والوزن ولم یوجد اذ لاکیل فی الحفنة والحفننتین والتفاحة والتفاحتین (الھدایة مع حاشیه ۵/۷۶ ا باب الربا)

وعلته ای علة تحریم الزیادة القدر المعھود بکیل اووزن مع الجنس ماوجد حرم الفضل ای الزیادة والنساء بالمدالتاخیر . وان عدما حلا کھروی بمرویین لعدم العلة فبقی علی أصل الاباحة وان وجد احدھما ای القدر وحده او الجنس حل الفضل وحرم النساء

(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ۵/۱۷۲)

علامہ ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے۔ ولما قالو ان العلة فی تحریم الربا ھو الکیل والوزن قالو یجوز التفاضل فیما لایدخل تحت الکیل والوزن وقالو بجواز الحفنة بالحفتین والتفاحة بالتفاحتین

(اعلاء السنن ۱۴/۲۶۱)

والاولی ان یقال ان علة ربا الفضل ھو الکیل اوالوزن مع اتحاد الجنس

(اعلاء السنن ۱۴/۲۷۳)

جبکہ امام شافعیؒ کے ہاں طعم یا ثمنیت کا پایا جانا ہے جبکہ جنس کا تبادلہ جنس کے ساتھ ہو اس لئے کہ ان اشیاء میں چار چیزوں کا تعلق طعم سے ہے۔ اور دو کا تعلق ثمن سے ہے۔

امام مالکؒ کے ہاں حرمت کی علت اقتیات اور ادخار مع الثمنیۃ ہے۔

لہذا مذکورہ بالا علل جب پائے جائیں تو ان ائمہ کرام کے ہاں وہ معاملہ سودی ہوگا۔

مروجہ کرنسی کی حیثیت:

مروجہ کرنسی کی حیثیت جیسا کہ ماقبل میں ذکر ہو چکا ہے کہ ان کی حیثیت فلوس نافقہ کی ہے اور معدودات کے قبیل سے ہے یعنی عددی ہے قدری نہیں اس کے علاوہ ایک ملک کی تمام اقسام کی کرنسی جنس واحد یعنی ایک جنس ہے اور

مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں اور یہ اختلاف جنس حکمی ہے اس لئے کہ ہر ملک کی کرنسی کی قیمت خرید اور قوت الگ الگ ہے یہی وجہ ہے کہ ہر ملک کی کرنسی کا نام بھی الگ ہے مثلاً امریکی ڈالر' برطانیہ کا پونڈ' سعودی ریال پاکستانی روپیہ وغیرہ۔

اب جب مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں اور اسکے علاوہ تمام کرنسیاں عددی بھی ہیں۔ جس میں حرمت ربا کی علت اتحاد قدر موجود نہیں ہیں تو دونوں اوصاف مختلف ممالک کی کرنسیوں کے تبادلے موجود نہیں ہیں اس لئے اس میں تفاضل بھی جائز ہے اور نسیا بھی جائز ہے اس لئے کہ اس تبادلے میں حرمت ربا کے دونوں اوصاف مفقود ہیں اور جہاں دونوں اوصاف موجود نہ ہوں تو وہاں تفاضل اور نسیا دونوں جائز ہیں۔

فلوس نافقہ میں بیع سلم:

اس کے علاوہ فقہاء کرام نے کتب فقہ میں اس بات کی تصریح کردی ہے کہ فلوس نافقہ جیسے آج کل کرنسی سے تعبیر کیا جاتا ہے میں بیع سلم جائز ہے: جیسا کہ علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے۔

واما السلم فی الفلوس عدداً فجائز عند ابی حنیفة وابی یوسف (بدائع الصنائع ۲۰۸/۵)

اور علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں **وکذا فی الفلوس عدداً ای یجوز السلم فی الفلوس عددا ھکذا ذکر محمد فی الجامع من غیر ذکر خلاف فکان ھذا ظاھر الروایة عنه** (فتح القدیر ۲۰۹/۶)

سونے چاندی کی بیع کرنسی کے ساتھ:

اسی طرح سونے چاندی کی بیع کرنسی کے ساتھ بھی تفاضل اور نسیاء کے ساتھ جائز ہے اور یہ بیع صرف میں داخل نہیں ہے کما قال العلامہ **السرخسی بیع الفلوس بالدراھم لیس بصرف** (المبسوط ۲۴/۱۴)

مگر دونوں طرح کے عقود میں احد البدلین پر مجلس عقد میں قبضہ متحقق ہو جانا ضروری ہے تاکہ بیع الکالی بالکالی یعنی بیع الدین بالدین لازم نہ آئے۔

دور حاضر کے اہل علم کے فتاویٰ:

اور اسی پر دور حاضر کے بہت سارے اہل علم کا فتویٰ ہے چنانچہ چند فتاویٰ جات ملاحظہ ہوں۔

☆ جناب مولانا احسان اللہ شائق صاحب لکھتے ہیں:

دو ملکوں کی کرنسی چونکہ مختلف الاجناس اشیاء میں داخل ہے اس وجہ سے ان کے نام کی اکائیاں وغیرہ مختلف ہوتی ہیں جب دونوں کی جنس مختلف ہے تو ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے اور اسکا کاروبار کرنا بھی جائز ہے' البتہ یہ ضروری ہے کہ مجلس عقد میں دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کا متبادل کرنسی پر قبضہ ہوجائے اگر کسی ایک فریق کا متبادل کرنسی پر قبضہ ہوجائے اگر کسی ایک فریق کا بھی مجلس عقد

میں متبادل کرنسی پر قبضہ نہ ہوا بلکہ معاملہ کر کے دونوں فریق بعد میں ادائیگی کے وعدہ پر جدا ہو گئے تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں افتراق دین بدین لازم آتا ہے جو کہ حدیث کی رو سے ممنوع ہے۔

(فقہ المعاملات یعنی جدید معاملات کی شرعی احکام جلد اول ۱۳۹)

اسی طرح فتاوی بنیات میں ہے چونکہ ایک ملک کا روپیہ دوسرے ملک کے روپیہ سے الگ جنس ہے اسلئے ایک ملک کا روپیہ یا نوٹ کو دوسرے ملک کے روپیہ یا نوٹ سے کمی وبیشی کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز ہے۔

(فتاویٰ بینات ۴/۱۱۳)

☆ علامہ سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: دوملکوں کی کرنسی نوٹ کو ہمارے زمانے کے علماء نے دوعلیحدہ جنس قرار دیا ہے اور چونکہ یہ ناپی یا تولی جانے والی چیز نہیں اور قدر وقیمت میں کافی تفاوت پائے جانے کی وجہ سے ان کو ایسی چیز بھی شمار نہیں کیا جاسکتا جو شمار کی جاتی ہیں' اور ان کے افراد میں باہم کوئی قابل لحاظ تفاوت نہیں' (عددی متقارب) اس لئے اب دوملکوں کی کرنسیاں جنس اور قدر ہر دو لحاظ سے مختلف ہیں اور ایسی دو چیزوں میں نقد وادھار تبادلہ ہوسکتا ہے لہذا یہ جائز ہے کہ ایک ملک کی کرنسی کا دوسرے ملک کی کرنسی سے اس طرح تبادلہ کیا جائے کہ ایک کی طرف سے نقد اور دوسرے کی طرف سے ادھار ہو۔ (جدید فقہی مسائل ۲/۲۶۲)

☆ اسی طرح علامہ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

جب مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہوگئیں تو ان کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بالاتفاق جائز ہے لہذا ایک ریال کا تبادلہ ایک روپے سے بھی کرنا جائز ہے' پانچ روپے سے بھی۔

میرے نزدیک حکومت کے مقرر کردہ بھاؤ کی مخالفت کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنے میں سود لازم نہیں آئے گا اس لئے دونوں کرنسیاں جنس کے اعتبار سے مختلف ہیں' اور مختلف الاجناس کے تبادلہ میں کمی زیادتی جائز ہے اور اس کمی زیادتی کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں بلکہ یہ فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے' پھر ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کے درمیان تبادلے کے وقت اگرچہ کمی زیادتی تو جائز نہیں لیکن یہ بیع صرف بھی نہیں ہے' کیونکہ کرنسی نوٹ خلقۃ ثمن نہیں ہیں بلکہ یہ ثمن عرفی یا اصطلاحی ہیں اور بیع صرف کے احکام صرف خلقی اثمان (سونے' چاندی) میں جاری ہوتے ہیں اس لئے مجلس عقد میں دونوں طرف سے قبضہ شرط نہیں البتہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسف کے نزدیک کم از کم ایک طرف سے قبضہ پایا جانا ضروری ہے اس کے بغیر یہ معاملہ درست نہ ہوگا (فقہی مقالات ۱/۲۸ تا ۴۰)

اور علامہ صاحب آگے مزید وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

اب سوال یہ ہے کہ کرنسی کا ادھار معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جیسا کہ تاجروں اور عام لوگوں میں اس کا رواج ہے کہ وہ ایک ملک کی کرنسی دوسرے شخص کو اس شرط پر دے دیتے ہیں

کہ تم اس کے بدلے میں اتنی مدت کے بعد فلاں ملک کی کرنسی فلاں جگہ پر دینا مثلاً زید عمر کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال اور یہ کہے کہ تم اسکے بدلے میں مجھے پاکستان میں چار ہزار پاکستانی روپے دے دینا تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ معاملہ جائز ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اثمان کی بیع میں بیع کے وقت ثمن کا عقد کرنے والے کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں لہذا جب جنسین مختلف ہوں تو ادھار کرنا جائز ہے' چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

واذا اشتریٰ الرجل فلوسا بدراھم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز لان الفلوس الرائجة لمن کالنقود وقد بینا ان حکم العقد فی الثمن وجوبھاو وجودھا معاولایشترط قیامھا فی ملک بائعھا الصحة العقد کمالا یشترط ذلک فی الدراھم والا نانیر

(المبسوط اللسرخسی)

اگر کسی شخص نے دراھم کے بدلے فلوس خریدے اور اس نے دراھم بائع کو دے دیئے لیکن بائع کے پاس اس وقت فلوس موجود نہیں تھے تو یہ بیع درست ہو جائے گی۔ اس لئے کہ مروجہ سکے ثمن کے حکم میں ہوتے ہیں' اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ثمن پر عقد کرنے کا حکم یہ ہے کہ وہ ثمن (مشتری کے ذمے) واجب بھی ہو جائے اور موجود بھی ہو لیکن ثمن کا بائع کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں جس طرح دراھم اور دینار کی بیع کے وقت ان کا ملک میں ہونا ضروری نہیں۔ لہذا اس صورت میں یہ بیع بثمن موجل ہو جائے گی جو اختلاف جنس کی صورت میں جائز ہے اور اس معاملے کو بیع سلم میں بھی داخل کر سکتے ہیں اور اکثر فقہاء فلوس میں ''بیع سلم'' کو جائز بھی قرار دیتے ہیں اس لئے کہ سکے ایسے غیر متفاوت عددی ہیں جو وزن اور صفت وغیرہ بیان کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں حتی کہ امام محمدؒ جو ایک فلس کی بیع دو فلسوں سے ناجائز کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی سکوں میں بیع سلم جائز ہے۔ (فقہی مقالات ۱/۱۴۱۔۱۴۲)

خلاصہ:

کلام یہ ہے کہ مروجہ کرنسی کی حیثیت فلوس نافقہ کی ہے اور ایک ملک کی مختلف کرنسی متحد الجنس ہیں اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں اور ان کرنسیوں کا تعلق معدودات سے ہیں۔ چونکہ مختلف ممالک کی کرنسیوں میں اختلاف الجنس کے ساتھ قدر والی صفت بھی مفقود ہے اس لئے مختلف ممالک کی کرنسیوں کا باہمی تبادلہ تفاضل (زیادتی) اور نسیاء (ادھار) کے ساتھ جائز ہے اور یہی بات مفتی بہ ہے۔

ھذا ماظھر لی واللہ اعلم

مختار اللہ حقانی

خادم و دار الافتاء دار العلوم حقانیہ

یکم جولائی ۲۰۱۰